Fikr-o-Nasar (Islamabad) 18:7 (1981)

اسلامی قانون کی تدوین جدید، اصول اور طریق کار

سید سیاح الدین کاکاخیل

اسلامی قانون کی تدوین جدید، اس کے اصول اور طریق کار کے بارے میں اپنے خیالات کے اظہار سے قبل میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک غلط فہمی کا ازالہ کردوں جو اس عنوان کے پڑھتے ہی بعض قارئین کے ذہن میں پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں کچھ علماء کرام اور وہ حضرات جو واقعی دین دار ہیں اور اسلام کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں جب "اسلامی قانون کی تدوین جدید" کا ذکر سنتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اور فی الواقع ان کی اس پریشانی کے لئے ایک منشاء موجود ہے۔ کچھ عرصہ سے ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا ابھر آیا ہے جس کا دین اسلام کے ساتھ نہ تو اس درجے میں اعتقادی رابطہ ہوتا ہے جو ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور نہ عملی طور پر وہ لوگ اسلامی احکام و قوانین کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر شب و روز مضامین و مقالات اور تقاریر و خطابات میں بڑے زور و شور کے ساتھ نئے اجتہاد اور نئے سرے سے قوانین اسلامی کی تدوین کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ یا تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو قرآن مجید کو اسلامی قانون کا ماخذ مانتے ہیں لیکن سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت شرعی یا ماخذ قانون اسلامی تسلیم نہیں کرتے۔ اور قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کے لئے بھی وہ اپنے آپ کو کسی حدیث یا تعامل و اقوال صحابہ کرام یا اجماع امت یا ائمہ ہدی سلف صالحین کی تفسیر و توضیح کا پابند

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

نہیں سمجھتے بلکہ وہ صرف اپنی فہم و بصیرت یا اپنی ''لغات القرآن'' ہی کو قرآن فہمی کا واحد ذریعہ یقین کرتے ہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہوتے ہیں جو زبان سے تو یہ اقرار کر لیتے ہیں کہ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ بھی حجت شرعی اور ماخذ قانون ہے لیکن قرآن مجید کی طرح احادیث رسول اللہ کی تشریح و توضیح بھی وہ اپنی آزاد رائے سے کرتے ہیں۔ استنباط و استخراج کے لئے بھی ان کے ہاں مقررہ اصول و ضوابط نہیں ہیں بلکہ مغربی تعلیم، مغربی سیاست اور مغرب کے فلاسفہ و حکماء اور مستشرقین سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان کا اجتہاد و استنباط در حقیقت مغربی افکار و خیالات اور مغربی قوانین کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یعنی وہی صورت حال ہوتی ہے جس کا ذکر اکبر الہ آبادی نے یوں کیا ہے۔

کھل گیا مصحف رخسار بتان مغرب — شیخ حاضر بھی ہوئے ہیں نئی تفسیر کے ساتھ

ان حضرات کی علمی تحقیق اور ان کا نیا اجتہاد عموماً یوں ہوتا ہے کہ احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو بھی قول و فعل منقول ہوتا ہے اس کو صرف وقتی اور عرب کے مخصوص حالات اور مخصوص زمانہ کے ساتھ مختص ثابت کرکے عملاً اس کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کر دیا جائے۔ اور پیش آمدہ واقعہ میں خود اپنا ''اجتہاد'' کرکے کوئی نیا حکم مستنبط کر دیا جائے اور اس کو اصل اسلامی قانون قرار دیا جائے۔ اور لازماً اس قسم کے اجتہاد میں مغرب سے مرعوبیت، اور مغرب کی نقالی کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان حضرات کا معاملہ جب خود حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس قسم کا ہے تو ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین کے دور کے تعامل، مسائل اور فیصل شدہ قوانین، یا ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء کرام کے بارے میں تو اور بھی جرأت کی جا سکتی ہے، اور بڑی آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو ایک خاص دور کا اجتہاد تھا، وہ دور گزر گیا، وہ اجتہاد بھی ختم ہوا،

اب اس نئے دور میں نئے تقاضے ھیں، نئے حالات ھیں، لہذا ھم ان حضرات کے اجتہادات یا ان کی تفسیر و تشریح کی پابندی کیوں کریں ۔ سلف صالحین کے تمام ذخیرۂ قوانین و احکام پر نظرثانی کرکے بلاتمیز سب پر وہ پانی پھیر دینا چاھتے ھیں اور نئے اسلامی قوانین کا مجموعہ تیار کرنا چاھتے ھیں ۔

الغرض جب چاروں طرف ایسی فضا موجود ھو اور اس فضا میں جب دین دار اور مخلص مسلمان یہ سنتے یا پڑھتے ھیں کہ کسی مجلس میں ''اسلامی قانون کی تدوین جدید،، پر مقالہ پڑھا جا رھا ھے یا کسی رسالے یا اخبار میں اس موضوع پر مضمون شائع کیا جا رھا ھے تو بجا طور پر وہ گھبرا جاتے ھیں ۔ اس لئے میں ان سب حضرات کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے اس مضمون کے شروع ھی میں اس غلط فہمی کا ازالہ کرتا ھوں اور میرے اس مضمون کے عنوان کو پڑھ کر ان کو ھرگز متوحش نہیں ھونا چاھئے ۔

میرا نظریہ اور عقیدہ یہ ھے کہ قرآن مجید کے جو نصوص قطعی الدلالۃ ھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث متواتر و مشہور ھیں اور جو قطعی الدلالۃ ھیں، یا آیات قرآنی اگرچہ ظنی الدلالۃ ھوں یا اخبار احاد ظنی الثبوت ھوں، مگر قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کے ارباب حل و عقد اور اھل علم نے کسی معنی پر اجماع کیا ھو، تو ایسے احکام و قوانین بالکل ابدی ھیں ۔ ان میں کسی تغیر و تبدل، کمی بیشی، التواء و تاخیر اور کسی نئے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ۔ نصوص کی کسی تعبیر پر مفسرین و شارحین اور ائمہ مجتہدین کا اتفاق ھوچکا ھو تو اس تعبیر و تشریح کے سوا محض اپنی فہم و بصیرت یا کسی خودساختہ لغات القرآن اور لغات الحدیث کا سہارا لے کر کوئی اور تعبیر کرنا یا کوئی اور تشریح و تفسیر اختیار کرنا ضلال مبین اور موجب ھلاکت و خسران دارین ھے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔

جو اسلامی قوانین و احکام اس نوعیت کے ھیں ان کی تدوین جدید سے ھماری مراد صرف یہ ھے کہ موجودہ دور میں جس طرح قوانین کی دفعہ‌وار ترتیب ھوتی ھے اسی طرح ان قوانین کو خاص سلیس اور عام فہم انداز کے ساتھ اور نمبر دے کر لکھا جائے تاکہ کسی کو کتب فقہ میں ادھر ادھر تلاش کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے بلکہ ھر شخص بڑی آسانی کے ساتھ متعلقہ دفعہ نکال کر مطلوبہ قانون اور مسئلہ معلوم کر سکے۔ ھر مسئلہ کسی دشواری اور زیادہ وقت صرف کئے بغیر بہ سہولت نکالا جا سکے۔ اس قسم کی تدوین جدید کی افادیت میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں ھو سکتی بلکہ یہ ایک نہایت مفید علمی خدمت ھے۔

اسلامی قوانین کا بہت بڑا حصہ ایسا ھے کہ کسی ظنی‌الدلالۃ آیت کی تفسیر میں، یا کسی خبر واحد کے مفہوم و مراد کی تعیین میں حضرات ائمہ مجتہدین کا آپس میں علمی اور اجتہادی اختلاف رہا، مثلاً چاروں ائمہ مجتہدین یعنی حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد کا آپس میں اتفاق نہیں ھوا، ایک نے تو اپنے علم و تفقہ اور قوت اجتہاد کی بنا پر یا دوسرے نظائر کو سامنے رکھ کر کوئی ایک تفسیر کی ھے یا ایک مفہوم متعین کر دیا ھے، اور دوسرے نے دوسری تفسیر کی ھے اور دوسرا مفہوم بتایا ھے۔ یہ ان حضرات کا آپس میں اجتہادی اور علمی اختلاف تھا جو بالکل فطری ھے۔ ایسے مسائل و قوانین کو ھم اجتہادی قوانین کہیں گے۔ یا کسی خاص صورت میں خبر واحد بھی کسی مجتہد کے سامنے نہیں، بلکہ قیاس یا استحسان کی بناء پر ایک مجتہد نے اس خاص صورت کا حکم ایک طرح بیان کیا ھے جبکہ دوسرے مجتہد نے اور طرح بیان کیا ھے۔ یہ مسائل اجتہادی کہلاتے ھیں۔

چونکہ ھمارے ملک پاکستان میں غالب اکثریت ان مسلمانوں کی ھے جو حنفی کہلاتے ھیں۔ یعنی وہ اھل السنت والجماعت مسلمان جو قرآن و حدیث

کی تفسیر و تشریح اور ان سے اسلامی قوانین و احکام کے استنباط و استخراج کے سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہرحـ پر زیادہ اعتماد کرتے ھیں، عزت و احترام تو وہ سب ائمہ مجتہدین و محدثین کا کرتے ھیں، سب سے عقیدت و ارادت کا تعلق رکھتے ھیں، ان سب کو ائمہ ھدی اور قابل اقتداء سمجھتے ھیں، دین کے خیر خواہ متقی اور اولیاءاللہ یقین کرتے ھیں، مگر وہ عام طور پر عملی زندگی میں ان قوانین و احکام پر عمل کرنا زیادہ بہتر اور راجح سمجھتے ھیں جو امام ابو حنیفہرحـ نے اپنے اجتہاد سے نصوص شرعیہ کو سامنے رکھ کر مستنبط کئے ھیں۔ اور قانون سازی کے دائرہ میں جس کی ایک شاندار اور بے نظیر تاریخ ھے، جب یہاں اکثریت حنفیوں کی ھے، دین و دانش کا بھی تقاضا یہ ھے اور موجودہ دور جمہوریت میں بھی ملکی قوانین کے سلسلہ میں اکثریت کے معتقدات و رجحانات کو اصل قرار دے کر ان قوانین کو پبلک لاء (قوانین عامہ) کے طور پر نافذ کیا جاتا ھے جو اکثر آبادی کے قوانین ھوں، بلکہ ھماری سابقہ تاریخ بھی اس بات کی گواھی دیتی ھے کہ جن ممالک میں شافعی حضرات کی اکثریت تھی وھاں امام شافعی کی فقہ کے قوانین جاری رھے، جہاں مالکیہ کی تعداد زیادہ تھی مثلاً اندلس اور مغربی افریقہ میں وھاں امام مالک اور ان کے تلامذہ کی مدون کی ھوئی کتابوں کے قوانین نافذ تھے اور ان کے مطابق فیصلے ھوتے تھے، اور یہی حال حنابلہ کا تھا، سلطنت عثمانیہ کے زیرنگیں ممالک میں احناف کی اکثریت تھی، ترکستان، افغانستان اور ھندوستان میں حنفی حضرات کی تعداد زیادہ تھی اس لئے صدیوں تک ان ممالک میں فقہ حنفی سرکاری فقہ کے طور پر نافذ رھی، اور حنفی اجتہاد کے مطابق سینکڑوں نہیں بلکہ ھزاروں ضخیم کتابیں فتاوی کی اور متون و شروح اور حواشی و منہیات کی اسی فقہ حنفی میں تصنیف ھوتی رھیں، الغرض پاکستان میں بھی بنیادی طور پر حنفی فقہ کے مطابق اسلامی قوانین و احکام کا پبلک لاء (قوانین عامہ) کے طور پر نافذھونا بالکل عقلی، دینی، علمی، فطری اور تاریخی

تقاضا ہے ۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اسلامی قوانین لاکھوں کی تعداد میں فقہ حنفی کی کتابوں میں منتشر موجود ہیں ۔ گذشتہ ادوار کے علماء کرام اور فقہائے عظام شاید اپنی قوت حافظہ، ذہانت، ادراک اور تجربہ کاری و مہارت کی بنا پر عندالضرورت اپنا مطلوب مسئلہ اور قانون اور شرعی حکم آسانی کے ساتھ ڈھونڈ کر نکال سکتے ہوں گے ۔ ان کو ہر ہر مسئلہ کے مظان کا اندازہ تھا وہ کسی دشواری کے بغیر اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے ۔ اب یہ واقعہ ہے کہ اس دور میں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ زیادہ ترقی کا دور ہے، نہ وہ قوی رہے، اور نہ اہل علم اور قانون دانوں میں وہ ادراک و ابصار رہا، اور نہ وہ وقت زیادہ خرچ کر سکتے ہیں، اس لئے اب یہ انتہائی ضروری ہے کہ نئے دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق ان اسلامی قوانین کو نئی ترتیب دی جائے اور ان کو دفعہ وار لکھا جائے ۔ آج کل تمام مہذب و متمدن ممالک میں ملکی قوانین کو جس طرح ایک بل کی صورت میں خاص انداز کے ساتھ مرتب و مدون کرکے کتاب قانون کا ایک حصہ بنایا جاتا ہے اسی طرح ان اسلامی قوانین کو بھی مدون و مرتب کر دیا جائے، تو تدوین جدید سے مراد یہ بھی ہے ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی افادیت اور نفع بخشی سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا ۔ اور نہ اس سے کسی توحش کی عقلاً اور شرعاً گنجائش ہے ۔

اب اس سے آگے ایک اور مرحلہ آتا ہے ۔ چونکہ وہ قدرے نازک سا مسئلہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اہل علم ذرا غور سے سن کر پھر اس کے بارے میں فیصلہ فرمائیں ۔ حنفی فقہ کے قوانین و احکام میں سے بعض قوانین ایسے ہیں کہ وہ محض اجتہادی ہیں ۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قطعی ہیں اور دوسرے ائمہ مجتہدین نے اگر اس سے مخالف یا تھوڑے بہت فرق کے ساتھ دوسرا

قانون بیان کیا ہے تو وہ بالکل غلط اور قطعی ناجائز ہے ۔ اس قسم کے مسائل کے بارے میں خود ہمارے ائمہ احناف کا یہ مقولہ مشہور ہے ۔ هذا صواب يحتمل الخطا و القول الاخر خطا يحتمل الصواب ۔

موجودہ دور میں اس قسم کے بعض قوانین کی تنفیذ و اجراء میں کچھ عملی مشکلات نظر آتی ہیں ۔ میری مراد مشکلات سے محض وہمی اور فرضی مشکلات نہیں بلکہ وہ حقیقی مشکلات اور موانع ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ جس دور میں وہ اجتہاد کیا گیا تھا اس دور کا عرف کچھ اور تھا ۔ تجارتی روابط کچھ اور نوعیت کے تھے ۔ قوی کا فرق تھا ۔ ماحول کا فرق تھا ۔ اس دور کا عرف جب بدل گیا ۔ تجارتی کاروبار کے طریقے کچھ مختلف ہو گئے ۔ نئی تہذیب اور نئے تمدن نے ماحول کو بالکل بدل دیا ۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی عالمگیر اور بے نظیر ترقی کی وجہ سے نئے نئے ایجادات نے ایک نئی دنیا بسادی ۔ اگر سابقہ ادوار کے قیاسی اور اجتہادی قوانین کسی قسم کے غور و فکر اور نظر ثانی کے بغیر جوں کے توں نافذ کئے جائیں تو بعض دفعہ یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید یہ تو نافذ نہ ہو سکیں ۔ عملی دشواریاں اور طرح طرح کی واقعی رکاوٹیں ان کو تو چلنے نہ دیں ۔ اور کچھ قطعی اور غیر متبدل قوانین بھی ان کی لپیٹ میں آ کر نافذ ہونے سے رہ جائینگے ۔ تو اس وقت اجتہاد مطلق کی ضرورت تو نہیں ۔ قطعیات اور اجماعی مسائل اور ممکن العمل اجتہادی مسائل کے بارے میں کسی نئی تحقیق یا اجتہاد کی نہ ضرورت ہے نہ شرعی گنجائش ۔ البتہ ان بعض خالص اجتہادی مسائل کے بارے میں نئی تحقیق اور نئے اجتہاد کی ضرورت بھی ہے اور گنجائش بھی ۔ اس وقت اسلامی نظام کے مکمل اور حقیقی اجراء و تنفیذ کے لئے ان امور پر از سرنو غور کرکے قابل عمل راستہ نکالنے کی واقعی ضرورت ہے ۔ اور اس سے اغماض یا غفلت کا نتیجہ ہرگز اچھا نہیں نکلے گا ۔ اسی طرح بہت سی

نئی نئی صورتیں پیدا ہو رہی ہیں اور نئے نئے واقعات سامنے آرہے ہیں، جن کا صاف و صریح حکم تلاش و جستجو کے باوجود قدیم فقہی کتابوں میں نہیں مل سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعینہ اسی قسم کی صورت ان فقہاء کرام کے زمانوں میں پیدا نہیں ہوئی تھی، تو ظاہر ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی خاص قانون کس طرح بنا سکتے تھے۔ یہ تو امر واقعہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے نئے واقعات پیش آتے ہیں کہ ان کا تصور تک بھی ان حضرات کے ذہن میں نہیں تھا۔ سلطان اورنگزیب عالمگیر رح نے اپنے وقت کے جید علماء اور فضلاء کو بلا کر اور عظیم الشان کتب خانہ مہیا کرکے ان کو فتاوی عالمگیری کی تدوین پر لگایا۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ باوجودیکہ قدیم فقہاء، کی بے نظیر علمی کتابیں اور ضخیم فتاوی اور مسائل و واقعات کا ذخیرہ موجود تھا مگر اپنے دور میں ایک منظم اور قانونی حکومت چلانے کے لئے انہوں نے نئی تدوین کی ضرورت محسوس کی تھی اور انہوں نے اس دور کے اعتبار سے ایک معیاری کام کیا۔ اسلامی قوانین کا مجموعہ مرتب کیا جو قابل قدر کارنامہ ہے۔ اور اس کی قدر و قیمت اور عظمت و اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے، اور اس میں ان کے کارنامہ کی تنقیص کا شائبہ بھی نہیں، کہ بہت سی نئی صورتوں اور نئے واقعات کے قانونی حکم معلوم کرنے کے لئے ہمیں عالمگیری میں بھی صاف و صریح فقہی جزئیے مل نہیں سکتے۔ اس لئے بعینہ فتاوی عالمگیری کو نافذ کرنے کا مطالبہ محض ایک جذباتی نعرہ ہے۔ ہاں اس وقت زیر تجویز تدوین جدید میں عالمگیری سے بھی فایدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں ہم جادہ پیما ہوکر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

ایسے نئے واقعات کے لئے شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے یہ محدود و مشروط اجتہاد اس دور کی ایک واقعی ضرورت ہے ۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے الملل و النحل میں لکھا ہے کہ "معاملات میں اور انسانی تصرفات کے ذریعہ جو حوادث اور نئے نئے واقعات پیش آتے رہتے ہیں ان کی تعیین و تحدید ناممکن ہے اور یہ بات قطعی طور پر ہم جانتے ہیں کہ ہر نئے حادثہ کے لئے شریعت کا صریحی حکم موجود نہیں ہے اور نہ اس کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے ۔ اور جب واقعات اور حوادث غیر متناہی اور کتاب و سنت کے احکام محدود ہیں تو جو خود محدود ہو وہ غیر محدود کو اپنے قابو میں کیسے لا سکتا ہے ۔ اسلئے قطعاً یہ بات معلوم ہوگئی کہ اجتہاد اور قیاس اس وقت تک قابل لحاظ چیز ہے جب تک کہ ایسے واقعات پیش آتے رہیں گے ۔ اسلئے ہر حادثہ کے لئے اجتہاد کرنا پڑے گا" ۔ حضرت فاروق اعظم نے جب حضرت ابو موسی اشعریؓ کو عراق کا والی مقرر کرکے بھیجا تھا تو ان کو ایک خط لکھا تھا، یہ خط قضا کی انتظامی اور فقہی رہنمائی کے لئے ایک زبردست دستور ہے ۔ اس کا ہر ہر جملہ نہایت قیمتی ہے اور اس سے اسلامی قانون کی دفعات کا استنباط کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے ۔ اس خط میں ایک حصہ یہ بھی ہے ۔

الفهم الفهم فی ما تلجلج فی صدرك مما لیس فی کتاب الله ولا سنة النبی صلی الله علیه وسلم ثم اعرف الاشباه والامثال فقس الامور عند ذالك بنظائرها و اعمد الی اقربها الی الله و اثبتها بالحق ۔ (جمهرة رسائل العرب رساله ۲۱۴ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۹۹)

الغرض اس وقت ہمارے سامنے فقہ حنفی کے کچھ ایسے قیاسی اور اجتہادی قوانین و احکام ہیں کہ موجودہ دور میں عملاً ان کی تنفیذ و اجراء میں واقعی

مشکلات ہیں ۔ اور ان پر اصرار، زمانہ اور معاشرہ کے بدلنے کی وجہ سے بہت سی عملی پیچیدگیاں، دشواریاں، اور نظم مملکت میں اختلال اور موجودہ معاشرہ میں انتشار پیدا کرتا ہے ۔ تو ضرورت ہے کہ ان اجتہادی مسائل پر از سر نو غور کر لیا جائے ۔ اور حضرات ائمہ اربعہ میں سے باقی تین حضرات کے ہاں اس معاملہ میں ان کا کوئی اجتہادی قانون اگر ایسا ہے کہ اس کی تنفیذ بہ آسانی ہو سکتی ہے اور وہ ارفق بالناس ہے، عرف عام یا عرف خاص کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتا ہے، مصالح مرسلہ کا تقاضا اس سے پورا ہوتا ہے ، یا قیاس کے مقابلہ میں وہ اجتہاد و استحسان کی بنا پر ہے، تو اس قانون کو لیا جائے اور ترجیح دی جائے، اور اسلامی قانون کے نئے مدون مجموعہ میں بہ‌حیثیت قانون کے اس کو درج کر دیا جائے، اور ایسا کرنا نہ تو حنفیت سے انحراف ہے اور نہ فقہاء کرام کے ہاں ناجائز ہے ۔ خود ہمارے فقہاء حنفیہ‌رح نے اس کی اجازت دی ہے ۔ مثالیں تو بہت ہیں میں صرف اجمالی اشارے پر اکتفا کرتا ہوں ۔ مسئلہ مفقودالخبر میں تمام فقہاء حنفیہ نے بالاتفاق امام مالک کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور اس پر فتوی دیا ہے ۔ تفصیل ردالمحتار لابن عابدین شامی‌رح میں دیکھی جائے ۔ بہت سے مسائل میں امام ابو حنیفہ‌رح اور صاحبین کے اقوال کو چھوڑ کر امام زفررح کے اجتہادی قول پر فتوی انہی وجوہات کی بنا پر دیا گیا ہے ۔ اگر کوئی بالغہ عورت اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کرلے اور اس کے والدین اور دوسرے اولیاء اس کو عرفاً عار سمجھتے ہوں تو ظاہر الروایہ" تو یہ ہے کہ نکاح تو ہو چکا ہے البتہ اولیاء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے ہاں دعوی دائر کریں اور اپنی ناراضگی اور عرفاً خاندان کے لئے اس کا موجب عار ہونا ثابت کریں، تو قاضی نکاح فسخ کردے گا ۔ ظاہرالروایہ" تو یہی ہے لیکن حسن بن زیاد رح کا اجتہاد یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح ہوتا ہی نہیں ۔ فسخ قاضی کے بغیر بھی وہ نکاح اصلاً ہی

نہیں ہوا۔ فقہاء متأخرین نے اس صورت میں حسن بن زیادرح کی اس روایت کو قبول کرکے اس پر فتوی دیا ہے چنانچہ در مختار میں ہے و یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتوی لفساد الزمان۔ اور شامیرح نے یفتی بعدم الجواز پر لکھا ہے ''ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃرح و وجہ عدم الصحۃ علی ھذہ الروایۃ دفع الضرر عن الاولیاء،، اور وھو المختار للفتوی پر لکھا ہے قال ''شمس الائمہ و ھذا اقرب الی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامۃ قاسم لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاضی یعدل ولو احسن الولی و عدل القاضی فقد یترک انفۃ للتردد علی ابواب الحکام و استثقالاً لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعا لہ فتح،، (شامی ج ۲ ص ۳۰۵) اسی طرح علامہ ابن عابدین شامیرح نے ایک پورا رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام ہے نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف۔ اور اس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ کہ احکام تبدل زمان سے بدلتے ہیں با دلائل تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

المسائل الفقھیۃ اما ان تکون ثابتۃ بضرب اجتھاد ورأی و کثیر منھا ما یبنیہ المجتھد علی ما کان فی عرف زمانہ بحیث لو کان فی زمان العرف الحادث لقال بخلاف ماقالہ اولا ولھذا قالوا فی شروط الاجتھاد انہ لا بد فیہ من معرفۃ عادات الناس فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اھلہ اولحدوث ضرورۃ او فساد اھل الزمان بحیث لو بقی الحکم علی ما کان علیہ اولا للزم منہ المشقۃ و الضرر و الفساد لبقاء العالم علی اتم نظام و احسن احکام ولھذا تری مشائخ المذھب خالفوا ما نص علیہ المجتھد فی سواضع کثیرۃ بناھا علی ما کان فی زمنہ لعلمہ بانہ لو کان فی زمنھم لقال بما قالوا بہ اخذا من قواعد مذھبہ۔ ص ۱۲۵

(ترجمہ) فقہی مسائل یا تو صرف اجتہاد اور رائے مجتہد سے ثابت ہوں گے اور بہت سے مسائل تو ایسے ہیں کہ ایک مجتہد اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھ کر

ان مسائل کی بنیاد رکھتا ہے اس طور پر کہ اگر وہ مجتہد اس موجودہ نئے عرف کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً جو کچھ پہلے کہا ہے اس کے خلاف کہتے اور اسی لئے تو علماء نے کہا ہے کہ اجتہاد کی شروط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ مجتہد کو لوگوں کی عادات اور عرف کی بھی پہچان اور علم ہو کیونکہ بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جایا کرتے ہیں کیونکہ اس دور کے لوگوں کا عرف بدل جاتا ہے یا کوئی خاص ضرورت پیش آتی ہے یا زمانہ والوں میں کچھ ایسا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر حکم کو اسی پہلے انداز پر باقی رکھا جائے تو اس سے مشقت ضرر اور فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ضروری ہے کہ عالم کو کامل نظام اور خوب مضبوطی کے ساتھ باقی رکھا جائے اور فساد سے بچایا جائے۔ اور اس لئے آپ دیکھیں گے کہ مشائخ کرام نے بہت سے مسائل میں مجتہد کی تصریحات سے مخالفت کی ہے جہاں مجتہد نے وہ مسئلہ اپنے زمانے کے عرف پر مبنی کر کے کہا ہے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر وہ مجتہد اس زمانے میں ہوتا تو وہ بھی وہی کچھ کہتا جو اب یہ مشائخ کہہ رہے ہیں اور جو اس مجتہد کے قواعد سے اخذ کرکے کہا جا رہا ہے۔

پھر علامہ شامی رحـ نے بہت سی مثالیں دی ہیں۔ جہاں اصل مذہب اور ظاہر الروایة کو چھوڑ کر دوسرا قول اختیار کیا گیا ہے اور اس پر فقہاء متأخرین نے فتوی دیا ہے۔ بطور نمونہ ان میں سے چندمثالیں میں بھی ذکر کرتا ہوں۔

(۱) امام ابو حنیفہ رحـ اور صاحبین رحـ اس پر متفق ہیں کہ تعلیم قرآن مجید یا امامت و اذان پر اجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ طاعات ہیں، جیسا کہ نماز، روزہ، حج اور قرأت قرآن طاعات ہیں، اور ادائے طاعات پر اجرت لینا صحیح نہیں لیکن متاخرین نے تعلیم قرآن مجید اور امامت و اذان پر تنخواہ لینا جائز قرار دیا،

اور وجہ یہ بیان کی کہ لانقطاع عطایا المعلمین التی کانت فی الصدرالاول، یعنی ابتدائی زمانوں میں بیت المال سے معلمین قرآن مجید اور ائمہ مساجد و موذنین کے لئے ضروریات زندگی کی کفالت کے واسطے وظائف مقرر ہوتے تھے اور وہ فراغ خاطر کے ساتھ یہ دینی کام سر انجام دے سکتے تھے۔ جب بیت المال سے ان عطایا کا سلسلہ کٹ گیا، اب اگر یہ حضرات سراسر ان دینی کاموں میں مشغول ہوں، یلزم ضیاعھم و ضیاع عیالھم، تو اس کے نتیجہ میں ان کے اور ان کے اھل و عیال کے اخراجات اور ضروریات زندگی کی کیا صورت ہوگی، اور اگر وہ کسی صنعت و حرفت یا دوسری ملازمت میں مشغول ہوں تو تعلیم قرآن کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور نئی نسلیں قرآن مجید سے بالکل محروم ہو جائیں گی اور مسجدوں میں جماعت کا نظام درہم برہم ہوگا۔ تو اس مجبوری اور ضرورت کی بنا پر انہوں نے فتوی دے دیا کہ ان امور کے سر انجام دینے والے کے لئے تنخواہ لینا جائز ہے۔ اور اس میں درحقیقت زمانہ کے حالات کے تبدل اور ضرورت دینی کی بناء پر حنفی مسلک کو چھوڑ کر امام شافعیرح کے مسلک کو اختیار کیا گیا ہے، جو تعلیم قرآن اور امامت و اذان پر اجرت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ تو حنفیہ نے بھی امام شافعیرح کا مسلک لے کر شرعی اور دینی ضرورت پوری کردی۔

۲ - امام ابو حنیفہرح کا مسلک یہ ہے کہ گواہ کے بارے میں اس کی ظاہری عدالت کافی ہے، اندرونی حالات کی تحقیق و تفتیش ضروری نہیں۔ مگر امام ابو یوسفرح اور امام محمدرح نے شہادت کے بارے میں ظاہر عدالت کو کافی نہیں سمجھا، بلکہ عادل قرار دینے اور قابل شہادت ہونے کے لئے تحقیق ضروری ہے۔ چونکہ امام ابو حنیفہرح کے دور میں عدالت کا غلبہ تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر ہونے کی خبر دی ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم، اور صاحبین کا زمانہ وہ تھا جس

کے بارے میں ثم یفشو الکذب فرمایا تھا، اس لئے علماء کرام نے اس اختلاف کے بارے میں یہ تصریح کی ہے ، ان ھذا الاختلاف اختلاف عصر و اوان الاختلاف حجۃ و برھان ۔

۳ ۔ امام ابو حنیفہ رح کے ہاں سلطان کے سوا دوسرے کسی کا اکراہ معتبر نہیں، اور امام محمد رح نے غیر سلطان کا اکراہ بھی متحقق مان لیا ہے اور اس کا اعتبار کیا کرتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح کا قول ان کے اس زمانہ کے حالات پر مبنی ہے پھر جب فساد بڑھ گیا اور غیر سلطان کی طرف سے بھی اکراہ کے واقعات پیش آتے رہے تو امام محمد رح نے اس کو مان لیا اور متاخرین احناف نے اس پر فتوی دے دیا ۔ اور اب اسی بنیاد پر جزئیات کا حکم بیان کیا جاتا ہے ۔

علامہ شامی رح نے اور بھی بہت سی مثالیں دی ہیں جہاں ظاہر الروایۃ اور اصل مذہب کو عرف کی بنا پر یا دفع حرج یا اور اصول کی بنا پر چھوڑ کر دوسرا قول اختیار کرکے فتوی دیا گیا ہے ۔ اور اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ بہت سے عقود جو شرعاً ممنوع ہیں ان سب کی وجہ یہ ہے کہ وہ موجب نزاع ہوتے ہیں ۔ لیکن اگر عرف کی وجہ سے باھمی نزاع کا اندیشہ نہ رہے تو پھر بہت سے ایسے عقود کو شرعاً ممنوع نہیں قرار دیا جائے گا چنانچہ اسی رسالہ میں علامہ شامی رح لکھتے ہیں :

و یدل علی ذلك انهم صرحوا بفساد البیع بشرط لایقتضیه العقد وفیه نفع لاحد العاقدین واستدلوا علی ذلك بنهیه صلی الله تعالی علیه وسلم عن بیع و شرط و بالقیاس و استثنوا من ذلك ما جری به العرف کبیع نعل علی ان یحذوها البائع قال فی منح الغفار فان قلت اذا لم یفسد الشرط المتعارف العقد یلزم ان یکون العرف قاضیا علی الحدیث قلت لیس بقاض علیه بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة و العرف

ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث ولم یبق من الموانع الاالقیاس و العرف قاض علیه انتهی ۔

’’اور یہ بات یہاں سے ثابت ہوتی ہے کہ ائمہ مجتہدین نے یہ تصریح کی ہے کہ جو شرط عقد کا مقتضی نہ ہو اور اس میں بائع یا مشتری کا فائدہ ہو تو ایسی شرط لگانے سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ شرط لگانے کو منع فرمایاہے اور قیاس بھی یہی ہے لیکن فقہاء نے اس مسئلہ میں ایسی شرط کا لگانا جو عرف کے مطابق ہو موجب فساد قرار نہیں دیا ۔ مثلاً ایک جوتا اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع اس کو تلوا لگائے گا ۔ منح الغفار میں کہا ہے کہ اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ شرط متعارف جب عقد کو فاسد نہیں کرتی اور حدیث میں تو مطلقاً شرط لگانے کو منع کیا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ آپ نے عرف کو حدیث پر غالب اور راجح کر دیا اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ یہاں عرف حدیث پر غالب نہیں بلکہ عرف کو قیاس پر غالب کیا ہے کیونکہ حدیث میں ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ شرط لگانے سے باہمی جھگڑا پیدا ہوتا ہے جو مقصود عقد کے خلاف ہے اور عرف اگر ہو تو نزاع واقع نہیں ہوتا ۔ تو عرف یہاں معنیٔ حدیث کے موافق ہوگیا ۔ اب مانع صرف قیاس رہ گیا اور عرف قیاس پر غالب ہو ہو سکتا ہے ۔،،

اور پھر اپنی اسی عبارت پر علامہ شامی رحمہ نے مزید حاشیہ لگایا ہے :

و ھذا و ان کان فیہ تکلف و خروج عن الظاھر و لکن دعی الیہ الاحتراز عن تضلیل الامۃ و تفسیقھا بامر لامحیص عن الخروج عنہ الا بذلک قال الشاعر

اذا لم تکن الا الاسنۃ مرکبا   فما حیلۃ المضطر الارکوبھا

علی ان قواعد الشریعۃ تقتضیہ فانھا مبنیۃ علی التیسیر لا علی التشدید و التعسیر

وما خیر صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الااختار ایسرھما علی امتہ و من القواعد النقیھۃ" اذا ضاق الامراتسع (منہ ص ۱۲۱)

(ترجمہ) ''اور اس میں اگرچہ تکلف بھی ہے اور ظاہر سے خروج بھی لیکن یہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ پوری امت کو گمراہ اور فاسق قرار دینے سے احتراز کیا جائے اور یہی ایک صورت ہے کہ تضلیل و تفسیق سے بچا جا سکتا ہے ایک شاعر نے کہا ہے کہ جب نیزوں کے علاوہ کوئی اور سواری میسر نہ ہو اور کوئی صورت ممکن نہ ہو تو ایک مجبور آدمی کے لئے اس پر سوار ہوئے بغیر اور کوئی طریق کار باقی نہیں رہتا ۔ علاوہ ازیں شریعت کے قواعد کلیہ اسی کا تقاضا کرتے ہیں کیونکہ شریعت آسانی اختیار کرنے پر مبنی ہے سختی اور تنگی برتنے پر نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ اسی کو پسند فرماتے جو امت کے لئے آسان بات ہوتی اور فقہی قاعدہ بھی ہے کہ جب کوئی معاملہ تنگ پڑنے لگ جائے تو اس میں کشادگی کی جاتی ہے ۔،،

(ناتمام)